بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

59. قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے - حصہ دوم

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ۔ پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے قرآن مجید کے تعلق سے جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے قرآن مجید کو اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اور پچھلے درس میں ہم دو دلیلیں اس موضوع سے بیان کر چکے ہیں، آج کی نشست میں اس موضوع کے تعلق سے جو اگلے دلائل ہیں اُن پر بات کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اس موضوع کے تعلق سے اور بھی آیات بیان کرتے ہیں قرآن مجید سے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیسری، چوتھی اور پانچویں آیت جو ہے اس موضوع کی دلیل کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

3- ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (النحل:101-103)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ﴾: ﴿بَدَّلْنَآ﴾ سے مراد ایک آیت کو دوسری جگہ کی آیت تبدیل کرنا، اور بات ہو رہی ہے نسخ کے تعلق سے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو اپنے کلام میں سے بعض احکام یا بعض آیات منسوخ کر دیتا ہے چاہے لفظ کے اعتبار سے، یا معنی کے اعتبار سے، یا دونوں اعتبارات سے۔

توجب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض آیات کو منسوخ کیا شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اور یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تعلق سے: ﴿مَا نَنسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا﴾: (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم کوئی آیت نسخ نہیں کرتے یا اُسے بھلا نہیں دیتے اِلَّا یہ کہ اُس سے بہتر یا اُس جیسی دوسری آیت ہم لے کر آتے ہیں)(البقرۃ:106)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب ایک آیت کو نسخ کرتا ہے تو اُس کی جگہ دوسری آیت اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے چاہے یہ نسخ جو ہے لفظ کے اعتبار سے ہو، یا اُس کے حکم کے اعتبار سے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَّاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا ہے):

اور یہ جملہ جو ہے یہ جملہ اعتراضیہ ہے اور اس جگہ پر بہت ہی موزوں اور بہترین جگہ پر ہے یہ جملہ جو ہے، اور معنی یہ ہے کہ ہمارا ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلنا جو ہے یہ کوئی سفھاً وعبثاً نہیں ہے (یعنی بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے) بلکہ یہ علم کی بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بندے کی صلاح اور بھلائی کے لیے اور مخلوق کی صلاح اور بھلائی کے لیے کیا ضروری ہے، اور اس بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ جو ہے وہ ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ منسوخ کر دیتا ہے۔

اور اس میں دوسرا فائدہ بھی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ تبدیل جو ہے (ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ تبدیل کرنا یا نسخ کرنا جو ہے) یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے اسے نسخ کیا ہے اور ایک آیت کو دوسری کی جگہ بدل دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ یونس آیت نمبر 15 میں: ﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ‌ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ‌﴾ ((یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) جب اِن پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ جو بالکل واضح ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے کر آئیں یا اس کو تبدیل کر دیں)(یونس:15)۔

یعنی یہ قرآن ہمارے لیے درست نہیں ہے (نعوذ باللہ) کوئی اور کلام لے کر آئیں کوئی اور کتاب لے کر آئیں!

جواب کیا ہے؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) بڑا پیارا جواب ہے: کہ جواب جو انہوں نے مطالبہ کیا ہے اس میں سے ایک حصے کا جواب دوسرے کا جواب نہیں دیا، اور جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ﴾: (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اسے تبدیل کروں) (یونس:15): لیکن یہ نہیں فرمایا کہ میں اس کے علاوہ دوسرا قرآن نہیں لے کر آسکتا، یا نہیں لے کر آنا چاہتا ہوں۔

وجہ کیا ہے؟ کیونکہ تبدیل اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کر سکتے، جب تبدیل نہیں کر سکتے تو اس کے علاوہ اور کتاب کہاں سے لے کر آسکتے ہیں؟! (سبحان اللہ)۔

اہم بات یہ ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ نسخ کے تعلق سے جب ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ تبدیل کیا جاتا ہے چاہے لفظ کے اعتبار سے یا حکم کے اعتبار سے تو یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تبدیل کرتا ہے۔

پھر اُن کا یہ جواب اُن کا یہ کہنا اہل کفر کا اور مخالفین کا: ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ﴾: یہ جواب ہے اُن لوگوں کا ﴿وَاِذَا﴾ شرطیہ ہے اُس کا جواب ہے:

﴿اِنَّمَآ﴾: صرف اور صرف۔

﴿اَنْتَ﴾: اور خطاب یہاں پر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے

﴿مُفْتَرٍ﴾: یعنی (نعوذ باللہ) کذاب، جھوٹ بولنے والا۔ وہ کیسے؟ وہ کہتے ہیں: کل آپ کچھ اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور آج اُسے بدل کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نہیں یہ فرمان ہے، تو یہ ہے ہی جھوٹی بات اور آپ ہیں ہی جھوٹے (نعوذ باللہ) ہم کیسے تسلیم کریں؟! کہ پہلی بات صحیح تھی یا دوسری بات صحیح ہے؟!

دیکھیں اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو شروع سے وہ حکم دے دے جس کو اللہ تعالیٰ نے تبدیل کرنا ہے لیکن بہت بڑی ازمائش ہے کہ من وعن سے تسلیم کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے (سبحان اللہ)۔

دیکھیں نا ایمان کے دعویدار بہت زیادہ ہیں، ایمان کے دعویدار ہر زمانے میں بہت زیادہ تعداد میں رہے ہیں لیکن مخلص کتنے ہیں، متبع کتنے ہیں، حق کے سامنے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے اِن میں سے کتنے لوگ سَر جھکا کر تسلیم کرتے ہیں، بات یہ ہے۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے اس بات کو (شیخ صاحب فرماتے ہیں) تواُن کا یہ قول کہ ایک آیت کا دوسری جگہ لانا جو ہے یہ جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ) تواُن کی بے وقوفی کی علامت ہے، اگر تھوڑا غور کرتے تو وہ یقیناً جان لیتے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لانے کا معاملہ جو ہے صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ ہی ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ تبدیل کرتا ہے، اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا ثبوت ہے، جھوٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! وہ کیسے؟ کیونکہ جو جھوٹا ہوتا ہے نا وہ اپنی بات کو تبدیل نہیں کرتا اس ڈر سے کہ میرا جھوٹ پکڑا جائے گا۔

یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جو جھوٹا ہوتا ہے نا، یا جو جھوٹ بولتا ہے جب ایک بات کرتا ہے تواُس پر ڈٹ جاتا ہے اپنے جھوٹ پر بھی ڈٹ جاتا ہے کیونکہ اگر اُس کے خلاف کوئی اور بات لے کر آئے گا نا تواُس کا جھوٹ پکڑا جائے گا، یہ اُسے ڈر یا خدشہ رہتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے پہلے یہ کہتا اب یہ کہتا ہے، تو جھوٹے کی یہ علامت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو بیان کرنا اور پچھلی آیت کو منسوخ کرنا یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں، یہ سچائی کا ثبوت ہے یعنی جھوٹ کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا! (سبحان اللہ)۔

اس لیے اس کے جواب میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾: اُن کی اکثریت جانتی نہیں ہے کہ جسے جھوٹ سمجھ رہے ہیں حقیقتاً وہ سچ کی علامت ہے اور سچ کا ثبوت ہے، اگر یقیناً یہ لوگ علم والے ہوتے یا تھوڑے سے سمجھ والے ہوتے تو اچھی طرح جان لیتے کہ ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ تبدیل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی علامت ہے اور دلیل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ﴾ (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسے نازل کیا ہے (یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے) روح القدس نے (یعنی جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام نے) ﴿مِنۡ رَّبِّكَ﴾ (میرے ربّ کی طرف سے) ﴿بِالۡحَقِّ﴾ (حق کے ساتھ)۔

حق ہے یہ قرآن مجید، نازل کیا ہے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ اور واسطہ کون ہے درمیان میں؟ سیدنا جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام۔

اور ﴿رُوۡحُ الۡقُدُسِ﴾: سیدنا جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام کو روح القدس کیوں کہا گیا ہے؟ جو قُدُس کا معنی ہے وہ ہے پاکیزگی کا، یعنی پاک ہیں سیدنا جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام خیانت سے (خیانت نہیں کرتے اور کر بھی نہیں سکتے)۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دوسری آیت میں سورۃ التکویر آیت نمبر 19 تا 21 میں: ﴿اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ﴿۲۱﴾﴾ (بے شک یہ قرآن جو ہے یہ قول ہے رسول کریم کا) ﴿ذِىۡ قُوَّةٍ﴾ دیکھیں وصف دیکھیں سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا: ﴿ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ﴾ (بہت طاقتور ہے ﴿عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں) ﴿مَكِيۡنٍ﴾ (جسے تمکین دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ﴾ (طاعت کی جاتی ہے اور امانتدار بھی ہے) (التکویر: 19-21)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مِنۡ رَّبِّكَ﴾: یہ نہیں فرمایا "من ربّ العالمین"۔ کیا فرق ہے دونوں میں؟ "من ربّ العالمین": دیکھیں اللہ تعالیٰ سب کا ربّ ہے؛ عالمین کا ربّ بھی ہے، مومنین کا ربّ بھی ہے، کافروں کا ربّ بھی ہے، تمام کائنات کا ربّ بھی ہے، "ربّ العالمین" (تمام جہانوں کا ربّ ہے): ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ (الفاتحۃ: 1): سورہ الفاتحہ کی آیت میں پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عام بھی ہے، خاص بھی ہے، اور خاصۃ الخاص بھی ہے وہ کیسے؟ عام تمام کائنات کے لیے، خاص مومنوں کے لیے، اور اس خاص کی خاص جو ہے وہ اپنے انبیاء اور اولیاء، اور رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے۔

جتنے آپ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوں گے اتنا ہی یہ خاص ربوبیت کے حقدار ہوں گے (سبحان اللہ)۔

اور یہاں پر دیکھیں یہ ربوبیت جو ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ یہ خاصۃ الخاصہ ہے "أخص الخاصة"۔

﴿بِالْحَقِّ﴾ نازل کیا ہے حق کے ساتھ: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) یا تو قرآن مجید کا وصف ہے یعنی جو نازل کی گئی ہے کتاب وہ حق ہے۔ (۲) یا جو اس میں پیغام ہے وہ حق ہے۔

اور یہاں پر معنی دونوں ہیں: قرآن مجید بھی حق ہے، اور جو کچھ نازل کیا گیا اُس میں جو پیغامات وہ بھی حق ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ (اور حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا ہے اور حق سے ہی نازل ہوا ہے) (الاسراء:105)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (تاکہ اللہ تعالیٰ ثابت کر دے مومنوں کو): یہ تعلیل ہے اور یہ عظیم فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ ثابت ہو جاتے ہیں حق پر، اور حق پر اللہ تعالیٰ اُن کو تقویت بھی عطا فرماتا ہے اور تمکین بھی عطا فرماتا ہے۔

یعنی وہ حق والے ہو جاتے ہیں حق کی بات کرتے ہیں، حق عمل کرتے ہیں حق کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور اُس پر ثابت قدم بھی رہتے ہیں (سبحان اللہ)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (اور ہدایت ہے اور بشارت ہے مسلمانوں کے لیے): ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اُن کے لیے راہ مشعل ہے جس سے اپنے تمام اُمور کو بہترین طریقے سے دیکھتے ہیں، اور اُن کے لیے بشارت بھی ہے جس سے وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ جب قرآن مجید سے ہدایت حاصل کریں گے اور اپنا نصب العین بنائیں گے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے پیغامات اور احکام ہیں اُن پر عمل کرنے والے بنیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد ہے، اپنی خواہش نفس کے مطابق نہیں بلکہ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو پھر ان کے لیے بشارت ہے، اور یہ بشارت ہر اُس مومن کے لیے ہے جو قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سپرد کر دیتا ہے، اور یہ ثبوت اور دلیل ہے کہ ایسا شخص جو ہے وہ أھل السعادۃ میں سے ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ اللیل آیت نمبر 5 تا 7 میں جس میں اس سے ملتا جلتا پیغام ہے: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴾ (پس جس نے دیا اور تقویٰ کا راستہ اختیار کیا، اور حسنیٰ کی تصدیق کی (لاالٰہ الا اللہ کی تصدیق کی توحید پر عمل کرنے والا بنا)، تو اُس کے لیے ہم آسان راستہ مزید آسان کر دیں گے) (اللیل: 5-7)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ خوش ہو جائے جب وہ اپنے اندر خیر کو دیکھے اور اُس پر اپنے آپ کو ثابت قدم دیکھے، اور خیر کی طرف رغبت جب دیکھے (ہمیشہ یہ قاعدہ یاد رکھیں)۔

دیکھیں یہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، ایک اللہ کا بندہ ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ موحد ہے متبع سنت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، نصوص کے سامنے (قرآن اور سنت کے سامنے) اپنا سَر خم کر کے تمام احکام تسلیم کر لیتا ہے، فرائض کی ادائیگی میں سب سے آگے ہوتا ہے، نوافل میں بھی قدر استطاعت کوتاہی نہیں کرتا اور نہ ہی سستی کرتا ہے، محرمات سے اجتناب کرتا ہے کبائر سے اجتناب کرتا ہے، اگر کبھی سرزرد ہو جائیں تو فوراً توبہ کرتا ہے، صغائر سے بھی اجتناب کرتا ہے اور اگر صغائر ہو جائیں تو کثرت سے نیکیاں کرتا ہے اور استغفار کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اِن تمام گناہوں کو مٹا دے (کیونکہ قاعدہ کیا ہے؟ ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (ھود: 114)، جب کوئی شخص اپنے اندر یہ چیزیں دیکھے تو اسے خوش ہونا چاہیے۔

کس بات کی خوشی؟ کہ اسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، جہاں پر اللہ تعالیٰ اسے دیکھنا چاہتا ہے وہیں پر نظر آتا ہے اور جہاں پر نہیں دیکھنا وہاں پر نظر نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کی رضا اُس کا نصب العین ہے، تو ایسے شخص کو خوش ہونا چاہیے کہ توفیق اللہ تعالیٰ نے دی ہے ثابت قدمی بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور یہ رغبت جو ہے اِن تمام خوبیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ تو خوش نہیں ہونا چاہیے؟!

دیکھیں عام طور پر ہم کب خوش ہوتے ہیں؟ عام طور پر جب دنیا کا کوئی خیر ہمیں مل جاتا ہے اور میسر ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی کو نوکری مل گئی خوش ہونا چاہیے کہ نہیں؟ ہونا چاہیے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ اگر نوکری مل جائے بے روزگاری میں تو رونا شروع کر دیں! ہونا چاہیے اچھی بات ہے۔

تنخواہ میں اضافہ ہو گیا خوش ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بھی خیر ہے، اللہ تعالیٰ نے اولاد دی ہے خوشی کی بات ہے خوش ہونا بھی چاہیے، شادی ہو گئی ہے یہ بھی خوشی کی بات ہے، نیک اور صالح بیوی ہے یہ بھی خوشی کی بات ہے لیکن سب سے بڑی خوشی کب ہونی چاہیے اس مومن کو؟ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے سب کو دی ہیں (فرمانبردار کو بھی دی ہیں نافرمان کو بھی دی ہیں)۔ کیا کافروں کی بیویاں نہیں ہیں؟ کیا اُن کے بچے نہیں ہیں؟ کیا اُن کا روزگار نہیں ہے؟ کیا نافرمانوں کا نہیں ہے؟ سب کا ہے۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا سب کو دیتا ہے، جسے پسند کرتا ہے اس کو بھی دیتا ہے جسے ناپسند کرتا ہے اسے بھی دیتا ہے لیکن آخرت کسے دیتا ہے؟ صرف اپنے پیاروں کو دیتا ہے۔

یاد رکھیں آخرت یعنی انسان کی خوشی کی اساس اور بنیاد اور جو حقیقی خوشی ہے یہ وہ خوشی ہے جس سے انسان کی ابدی زندگی سنور جائے، اور ابدی زندگی حقیقی زندگی وہ آخرت کی زندگی ہے۔

تو اصل خوشی یہ ہونی چاہیے کہ جب انسان اپنے اندر یہ توفیق دیکھے کہ وہ خیر پر عمل پیرا ہے اور خیر پر ہی ثابت قدم ہے اور رغبت کی اُس کی خیر کی طرف بڑھتی جا رہی ہے، تو واللہ! اس دنیا میں اس جیسا شخص نہیں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اِن تمام اُمور کی توفیق دی ہے۔

اور یاد رکھیں ایسا بندہ جو ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی خیر سے بھی محروم نہیں کرے گا، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اسے بڑی نوکریاں مل جائیں گی اور بڑی اس کی دنیا یعنی پہلے سے ڈبل ہو جائے گی اور تمام چیزیں، نہیں! تھوڑا بھی ہو گا تو قناعت ہو گی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے گا، تکلیف مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرمائے، تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی، اور یہی اصل زندگی ہے۔

یہ نہ سمجھیں کہ زندگی اُس کی اچھی ہے جسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، اور اِس دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے کوئی تکلیف نہ ہوئی ہو، کوئی دیکھ لیں دنیا میں تکلیف ہوتی ہے چاہے نفسیاتی ہو، چاہے جسمانی ہو، چاہے مالی ہو، نقصان، خساری، تکلیف یہ دنیا کا حصہ ہے بنیادی حصہ ہے لیکن اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم فکرِ آخرت رکھیں اور دنیا کو بالکل چھوڑ دیں!

ہم دعا میں کیا دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے؟ معروف دعا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے: ’’رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘‘۔

بات یہ ہو رہی ہے کہ اگر صرف دنیا ہے تو خوشی کی بات نہیں ہے، صرف آخرت ہے خوشی کی بات ہے، اگر دونوں ہیں تب بھی خیراً علی خیر ہے (الحمد للہ)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں خوش ہونا چاہیے اس بشارت سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے جب یہ فرمایا (ذرا غور سے سنیں بڑی پیاری حدیث ہے): "کہ تم میں سے سب کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے جنت میں اور دوزخ میں": تو صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم عمل کو چھوڑ نہ دیں اور بھروسہ نہ کرنا شروع کر دیں توکل کر لیتے ہیں پھر؟ (جب جگہ متعین کر دی گئی ہے مقرر کر دی گئی ہے سب کی کہ کون جنتی ہے کون دوزخی ہے پھر عمل کس چیز کا کرنا ہے ہم نے؟ بس پھر اللہ پر بھروسہ ہی کرتے ہیں جس نے جہاں ہوگا چلا جائے گا): "قَالَ: لَا" (اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں) "اعْمَلُوا" (تم عمل کرو، عمل کرتے رہو) "فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ" (سب کے لیے آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے (جنتیوں کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا جائے گا اور جہنمیوں کے جہنم کا راستہ آسان کر دیا جائے گا)) "ثُمَّ قَرَأَ" (پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کو تلاوت کیا ہے) ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۞ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۞ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۞ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۞ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۞ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۞﴾ (اللیل: 5-10)۔

دو راستے ہیں، ایک آسان راستہ ہے توحید اور سنت کا راستہ ہے، تصدیق کا راستہ ہے، اور دوسرا راستہ جو ہے مشکل راستہ ہے، شرک کا راستہ ہے، بدعات کا راستہ ہے، نافرمانیوں کا راستہ ہے جھٹلانے کا راستہ ہے، بخیلی کا راستہ ہے۔ ایک راستہ جنت کی طرف جاتا ہے دوسرا جہنم کی طرف جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے لیے یہ راستے آسان کر دے گا۔

جو خیر چاہتا ہے جس کی زندگی خیر پر چل رہی ہے اور اُس کے لیے عزم کرتا ہے تو اُس کے لیے اللہ تعالیٰ اس خیر کے راستے کو آسان کر دے گا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾: آسان راستہ ہے جنت کا راستہ۔ اور جو دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے مشکل راستہ، شرک، بدعات، خرافات، نافرمانیاں، اور یہ مشکل راستہ ہے۔

دیکھیں جب انسان کوئی چوری کرتا ہے تو ڈر، تکلیف، خوف، یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں کہ نہیں؟ کہ پکڑا جائے گا تو سزا ہو گی؟ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ بدنامی ہو گی، یہ ہو گا وہ ہو گا! جب آپ نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہیں کیفیت کیا ہوتی ہے؟ سینہ کشادہ ہوتا ہے خوشی ہوتی ہے کہ انسان اللہ کے گھر کی طرف جا رہا ہے۔

اب دونوں کی صورتیں اور حالتیں دیکھیں برابر ہو سکتی ہیں کبھی؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!

تو آسان کیا ہے اور مشکل کیا ہے؟ نماز کی طرف جانا آسان ہے، اور چوری کی طرف جانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے راستہ آسان کر دیا ہے: یہ مسجد چلا گیا بآسانی نماز پڑھ کر واپس آیا، اور یہ گیا چوری کر کے واپس آ گیا، دونوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے (سبحان اللہ)، اللہ تعالیٰ چاہتا تو روک دیتا اُسے جو چوری کی طرف جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اَحکم الحاکمین ہے۔

الغرض، اسی طریقے سے توحید ہے اور شرک ہے: آپ ایک ربّ سے مانگتے ہیں کسی اور سے ہرگز نہیں مانگتے، اور دوسرا ہے وہ کبھی اُس دربار پر کبھی اُس دربار پر کبھی اُس دربار پر، کبھی کسی سے مانگتا ہے کبھی کسی سے مانگتا ہے، اُسے خدشہ رہتا ہے کہ پتہ نہیں اس سے مانگوں ملے گا نہیں ملے گا یا اُس سے مانگوں کس سے مانگوں؟! بے روزگاری کے لیے فلاں دربار کی طرف جا رہا ہے، اولاد کے لیے کسی اور جگہ پر جا رہا ہے، صحت اور عافیت کے لیے کسی اور جگہ پر جا رہا ہے، دونوں میں سے کون سا راستہ آسان ہے؟

جب آپ ایک ربّ سے مانگتے ہیں یقیناً آپ کا دل جڑ جاتا ہے اپنے ربّ سے اور آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری مانگ یہاں پر پوری نہ ہوئی تو وہاں پر کبھی ضائع نہیں ہو گی۔

لیکن یہ جو دربدر بھٹک رہا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے ہی دینا ہے (اولاد بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے رزق بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے، صحت اور عافیت بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے کوئی اور دے ہی نہیں سکتا!) لیکن اِس کی کیفیت کیا ہے مشکل راستہ ہے کہ نہیں؟! لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے آسان کر دیا ہے۔

اور دونوں نے حساب دینا ہے (اپنے ربّ کو دونوں نے حساب دینا ہے) اور واللہ! دونوں کا انجام برابر نہیں ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔

الغرض، شیخ صاحب فرماتے ہیں: جب آپ اپنے اندر یہ دیکھ لیں کہ آپ ہدایت پر ہیں اور توفیق دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل صالح کو پسند کرتے ہیں، خیر کو پسند کرتے ہیں اہل خیر کو پسند کرتے ہیں، تو پھر خوش ہو جاؤ یہ دلیل ہے کہ آپ اَہل الیسریٰ میں سے ہیں۔

ایک اَہل الیسریٰ ہیں (آسانی والے)، دوسرے اَہل العسریٰ ہیں (مشکل والے، سختی والے)۔ اور اہل الیسریٰ جو ہیں (آسانی والے) یہ وہ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت کو کامیابی کو لکھ دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہاں پر اس آیت میں ﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾: پھر اعتراض! وہ کہتے ہیں ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر ہی تعلیم دیتا ہے (کوئی شخص ہے کوئی انسان ہے جو تعلیم دیتا ہے)۔

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ (ہم جانتے ہیں): یہ نہیں فرمایا "لقد علمنا"۔

دونوں میں کیا فرق ہے؟ ﴿نَعْلَمُ﴾ مضارع ہے، "علمنا" ماضی ہے۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ پہلے ماضی میں کہہ چکے تھے یہ اعتراض، اب اعتراض باقی نہیں رہا۔ اس میں تجدید ہوتی رہتی ہے اور وہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ پہلے بھی کہتے تھے یہ اعتراض، اور ابھی بھی کہتے ہیں اور اس پر قائم ہیں، اور اس کی وجۂ نزول یہ ہے اس آیت کہ قریش نے یہ کہا کہ یہ قرآن جو ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں یہ اُس کے ربّ کی طرف سے نہیں ہے یہ کوئی شخص ہے جو تعلیم دیتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور کوئی سابقہ قصے لوگوں کے سناتا رہتا ہے اور یہاں پر ہمارے پاس لے کر آتا ہے تو یہ کہتا ہے (نعوذ باللہ) کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، "عند اللہ!": یعنی جھوٹ بولتا ہے (نعوذ باللہ!!)، اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ بشر کا کلام ہے، عجب بات ہے کہ جب یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ بشر کا کلام ہے اور اُن کو یہ کہا جاتا ہے کہ اس جیسا اور لے کر آؤ، تو کبھی لے کر ہی نہیں آسکتے!

عجیب بات ہے کہ نہیں؟! یعنی آپ اعتراض کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نہیں یہ معاملہ ایسا نہیں ایسا ہے۔ اچھا ٹھیک ہے پھر تم کر کے دکھاؤ۔ جب بشر کا کلام ہے نا وہ تو ایک ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ایک شخص

انہیں تعلیم دینے والا ہے، تم تو پوری قوم ہو سردار ہو اثر ورسوخ والے ہو، عربی تمہاری یعنی بہت ہی قوی ہے، سب مل کر تم ایسا کلام لے کر آؤنا (اور چیلنج ہے!)، نہیں کر سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کو باطل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ﴾ (یہ زبان جس کی طرف یہ مائل ہو رہے ہیں اُعجمی ہے): یعنی حق سے بالکل دور ہے۔

ایک چیز یاد رکھیں کہ اُعجمی اور عجمی میں کیا فرق ہے یہ نوٹ کر لیں جو طلاب علم ہیں: کہ ایک ہے لفظ اُعجمی ہمزۃ کے ساتھ "اُعجمی"، دوسرا ہے "عجمی" بغیر ہمزۃ کے۔ جو اُعجمی ہے یہ وہ ہے جسے عربی فصاحت کے ساتھ نہیں آتی صحیح طریقے سے نہیں آتی اگرچہ عربی ہی کیوں نہ ہو، کئی عرب ہیں اُن کو صحیح عربی نہیں آتی انہیں کہتے "اُعجمی"۔

اور "عجمی" بغیر ہمزۃ کے یہ عجم کی طرف منسوب ہے اور یہ وہ ہے جو عربی بول لیتا ہے، یا عجم سے ہے لیکن عربی بول لیتا ہے، اسے عجمی کہتے ہیں۔ اس لیے یہاں پر فرمایا ﴿اَعْجَمِیٌّ﴾: یعنی یہ جس کے تعلق سے بات کر رہے ہیں اور مائل ہو رہے ہیں اُعجمی ہیں جسے عربی زبان نہیں آتی۔

اُعجمی کہا ہے نا، اُعجمی خود کہہ رہے ہیں: یعنی ایک تو کہتے ہیں اُعجمی کا یہ قول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے اُعجمی ہے۔ اور اُعجمی کسے کہتے ہیں؟ جسے صحیح طریقے سے عربی زبان کی مہارت نہ ہو عربی نہ آتی ہو۔ اپنے آپ کو خود جھٹلا دیا کہ نہیں؟ اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ غلط بیان سے کام لیے رہے ہیں (سبحان اللہ)۔

اور قرآن مجید کے تعلق سے فرمایا ہے: ﴿وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾: حقیقت یہ ہے وہ خود بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید جو ہے کس زبان پر نازل ہوا ہے؟ ﴿لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾: مبین کیسا ہے؟ عربی ہے۔ اور عام عربی نہیں ہے مبین ہے یعنی خود اپنے الفاظوں میں بھی واضح ہے اور دوسرے بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، دوسروں کے لیے بھی وضاحت کامل ہے (سبحان اللہ)۔

تو قرآن مجید جو ہے عربی کلام ہے "وهو أفصح الكلام" ہے سب سے زیادہ فصیح قرآن مجید ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اُعجمی آئے جسے عربی کی مہارت نہ ہو عربی زبان صحیح سے بول نہ سکے اور وہ ایسے قرآن کی تعلیم دے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس کی عربی کی مہارت میں انتہا ہے؟! افصح الکلام ہے۔

اور شاہد یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾(اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اللہ نے کیا نازل فرمایا ہے): پہلے یہ۔اور دوسرا اِن ہی آیات میں: ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ﴾اس میں بھی دیکھیں۔ موضوع کیا ہے ہمارا؟ کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، تو ان آیات میں سورۃ النحل کی آیات 101 سے 103 تک ان آیات میں:

(۱)﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾: یہ ثبوت ہے کہ قرآن مجید نازل ہوا ہے۔

(۲)دوسرا: ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ یہ ہے۔

(۳)اور تیسرا جو ہے: ﴿وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾۔

جب عربی مبین ہے اور اُعجمی کا نہیں ہے تو پھر کہاں سے آیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اور ان تمام آیات میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں فائدے کے لیے: ان آیات کے بعد دو آیات ہیں سورۃ النحل کی آیت نمبر 104 اور 105 ان میں قرآن مجید کے نازل ہونے کی شاہد یہ دلیل تو نہیں ہے لیکن چند اہم پیارے اور فائدہ مند پیغام ہیں تو اسے بیان کر لیتے ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝﴾(النحل:104-105)۔

یعنی: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ان آیات سے وہ کوئی فائدہ اٹھاتے ہیں "والعیاذ باللہ"؛ تو ہدایت کا راستہ اُن کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور اُن کے لیے عذاب الیم ہے (نعوذ باللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ بہت ہی بڑا فائدہ ہے وہ کیا ہے؟ "کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا"۔

ایمان ہے تو ہدایت ہے ایمان نہیں تو ہدایت نہیں ہے، ایمان میں کمزوری ہے تو ہدایت میں بھی کمزوری ہے، جتنا ایمان مضبوط اتنی ہدایت مضبوط (سبحان اللہ)۔

یعنی مفہوم المخالفہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے، اس کی مثال یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے تو پھر اُن لوگوں کو اُن کو سمجھنے کی ہدایت بھی نہیں ہوتی صحیح طریقے سے، یعنی مثال کے طور پر جب اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے ساتویں آسمان پر جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے عرش پر مستوی ہے سبحانہ وتعالیٰ: تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے نازل ہوتا ہے یہ کیسے ممکن ہے؟!

تو ہم اُن سے یہ کہتے ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) "آمن تهتدي": پہلے ایمان لے کر آؤ پھر تمہیں ہدایت ملے گی ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، جب آپ اس پر ایمان لے کر آتے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً نازل ہوتا ہے (یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے) تو آپ یہ خوب جان لیتے کہ یہ مستحیل نہیں ہے ناممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

جب مماثلت کی نفی کر دی گئی ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:11) تو بات ہی ختم ہو گئی ہے!

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تعلق سے: ﴿جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ﴾: وہی دیوار والی بات جو پچھلے درس میں بیان کی تھی کہ کیا دیوار کا ارادہ بھی ہوتا ہے؟ یہ دیوار جو گرنے کا ارادہ کرتی تھی ﴿فَاَقَامَهٗ﴾ پھر اسے سیدھا کر دیا (الکھف:77)۔

"كيف يريد الجدار؟": جدار کیسے ارادہ رکھتی ہے (دیوار کیسے ارادہ رکھتی ہے)؟۔

قاعدہ کیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں کہ: "آمن بأن الجدار يريد" (اس بات پر ایمان لے کر آؤ کہ دیوار ارادہ رکھتی ہے دیوار کا ارادہ بھی ہوتا ہے) "يتبين لك أن هذا ليس بغريب" (تو تمہیں یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ یہ چیز جو ہے ناممکن نہیں ہے اور عجیب نہیں ہے)۔

اور یہ قاعدہ بنیادی قاعدہ ہونا چاہیے آپ کے ہاں اور ہم سب کے ہاں کہ "آمن تهتدي": ایمان رکھو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور یعنی ہدایت کا راستہ آسان ہو جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اُن کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اور اندھے ہو جاتے ہیں قرآن مجید کے لیے اور نہ ہی وہ قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید سے ہدایت لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

جو مسلکی فائدہ ہمیں ملتا ہے ان آیات سے وہ یہ ہے کہ جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ربّ العالمین نے یہ کلام فرمایا ہے تو ہمارے اوپر یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ ہم اس قرآن مجید کی تعظیم کریں، احترام کریں، اور جو کچھ بھی اس قرآن مجید میں پیغام ہیں اُن کی تعمیل کریں، چاہے حکم ہے تعمیل کریں، اگر کسی چیز کو منع کرنے کا حکم ہے تو اسے ترک کر دیں، جو منہیات اور محذورات ہیں اور جو بھی خبریں دی ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن تمام خبروں کی تصدیق کریں، جو بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تمام مخلوقات سے جو گزر چکی ہیں یا جو آنے والی ہیں اور جتنے پیغام ہیں اللہ تعالیٰ کے ان سب کی تصدیق کریں۔

((واللہ اعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (59.العقيدة الواسطية) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔